© rasailojaraid.com

الٰہی بخش جاراللہ

المعلّقات

معلّقات ، معلقہ کی جمع ہے ۔ یہ لفظ علق یعلق سے ہے جس میں تعلّق و رشتہ ، پسندیدگی و مقبولیت[1] اور لٹکانے کے معنی پائے[2] جاتے ہیں ۔ معلقات جاہلی شعراء کے سات[3] پسندیدہ ، منتخب اور مشہور قصیدے ہیں

۱۔ علق الشئی علقا و علق بہ لزمہ و نشب فیہ و علقت نفسہ الشئی لہجت بہ و فی الحدیث فعلقت منہ کل معلق ای احبہا و شغف بہا و العلق الھوی (لسان : ج ۱۰ ، ص ۲۶۱) ۔ قال الشاعر : لقد اردت الصبر عنک فعاقنی ۔ علق بقلبی من ھواک قدیم (الصحاح ، ص ۱۵۲۹) ۔ و العلق (بالکسر) النفیس من کل شئی (الصحاح ، ص ۱۵۳۰) ۔

۲۔ فی الحدیث : ارواح الشہداء فی حواصل طیر خضر تعلق من ثمار الجنۃ (لسان : ص ۲۶۳ ، ج ۱۰) ۔ و العلاقۃ : المعلاق الذی یعلق بہ الاناء و کذلک علاقۃ السیف ، والسوط : و علاقۃ القدح والمصحف والقوس و ما اشبہ ذلک (لسان : ص ۲۶۵ ، ج ۱۰) ۔ وعلقت الشئی تعلیقاً ، وعلق الرجل امراۃ و منہ المعلقۃ من النساء التی لا زوجہا و لم یخل لسبیلہا : فتذروھا کالمعلقۃ (تلخیص من الصحاح : ۱۵۳۲ و لسان : ۲۶۷) ۔

۳۔ معلقات اور ان کے شعراء کی تعداد میں اختلاف ہے ۔ ’’جمہرۃ اشعار العرب‘‘ کے مصنف ابو زید قرشی نے ان کی تعداد آٹھ لکھی ہے ، جو یہ ہیں : امرأ القیس ، زہیر ، نابغہ ، اعشی ، لبید ، عمرو بن کلثوم ، طرفہ ، عنترہ ۔ زوزنی نے جو خود معلقات کا ایک شارح ہے ، ان کی تعداد سات بتائی ہے اور قرشی کے بیان کردہ اسماء میں سے نابغہ اور اعشی کی جگہ حارث بن حلزہ کا نام درج کیا ہے ۔ ’’ابو ذکریا التبریزی‘‘ نے مذکورہ نو شعراء کے علاوہ عبید بن الابرص کا قصیدہ بھی نقل کیا ہے ۔ اس طرح ابو ذکریا کے نزدیک ان کی تعداد دس ہو جاتی ہے ۔ ’’معلقات‘‘ کے مشہور شارح ’’ابو جعفر النحاس

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنھیں اظہارِ پسندیدگی و مقبولیت کے لیے آبِ زر سے وصلیوں پر لکھوا کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ معلّقات جاہلی شاعری کا مشہور مجموعہ ہے تاہم ان کے علاوہ جاہلی شاعری کے کئی اور مجموعے[۴] بھی پائے جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

النحوی'' کے خیال میں ان کی تعداد سات ہے۔ اس نے نابغہ اور اعشی کے قصیدوں کو معلقات میں شمار نہیں کیا۔ علامہ ابن خلدون نے بھی ان کی تعداد سات بتائی اور ان میں قصیدہ کا تعین کیے بغیر ایک نام علقمہ بن عبدہ گنوایا ہے۔ مشہور روایت سات کی ہے۔

۴۔ جاہلی شاعری کے مجموعے: جاہلی شاعری کے مجموعوں میں چھ دیوان اور چھ مجموعے زیادہ مشہور ہیں۔ دواوین مندرجہ ذیل شعراء کے ہیں: نابغہ، عنترہ، طرفہ، زہیر، علقمہ اور امرأ القیس۔ مجموعے یہ ہیں:

(۱) المعلقات: ان میں علی اختلاف الاقوال ۷، ۸، ۹ یا دس شعراء کے قصائد شامل ہیں جنھیں اموی دور کے فارسی نژاد شاعر حماد الراویہ نے ترتیب دیا۔

(۲) المفضلیات: یہ مجموعہ مفضل الضبی نے خلیفہ منصور کے ایماء پر اس کے بیٹے مہدی کے لیے ترتیب دیا۔ اس میں ۱۲۸ نظمیں شامل ہیں۔

(۳) الحماسہ: قدیم عربی شاعری کا درسی مجموعہ جس کو ابو تمام حبیب بن اوس الطائی نے مرتب کیا۔ ابو تمام خود ایک عظیم شاعر تھا جس نے عربی شاعری میں فلسفیانہ اور معنی خیز انداز کو ترقی دی۔ اس کے اس انداز کے اپنانے والوں میں اس کے شاگرد اور ہم عصر بحتری اور اس کے بعد آنے والے عظیم ترین شاعر متنبّی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اگرچہ اس کی اپنی شاعری کی نسبت اس کے مجموعے کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

(۴) حماسہ البحتری: بحتری ابو تمام کا کم عمر ہم عصر اور شاگرد تھا۔ اس نے اپنے استاد کے انداز پر ایک مجموعہ حماسہ کے نام سے ترتیب دیا لیکن وہ ابو تمام کے حماسے کی شہرت و مقبولیت نہ پا سکا۔

(۵) جمہرۃ اشعار العرب: ۴۹ نظموں کا یہ مجموعہ ابو زید محمد القرشی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن ان معلقات کو جہاں ایک طرف جاہلی شاعری کے طرزِ ادا کا آئینہ دار اور اس کے اسلوبِ بیان کی سچی تعبیر و تصویر اور روایت کے اعتبار سے زیادہ مستند کہا جاتا ہے وہاں ان کے متعلق تمام تاریخی آراء اور تمام استنادات کو غایت درجہ شک و شبہ کی نگاہ سے بھی دیکھا گیا ہے ۔ تاہم اس پر مزید کچھ کہنے سے پہلے ہم عربی شاعری کی ابتداء و ارتقاء پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ اس کے بعد امید ہے بہت سے حقائق اور ایرادات کی حقیقت عیاں ہو جائے گی ۔

عرب نے شاعری میں جو فطری قابلیت ، پختگی ، مفہوم کو ادا کرنے کی صلاحیت ، خیال آفرینی ، سادگی کے ساتھ پاکیزگی ، عصبیت اور جذبۂ آزادی کا مظاہرہ کیا ، جلال و جمال ، افکار و خیالات کا جو مرقّع پیش کیا اس کا سراغ لگایا جائے تو یہ بات ظہورِ اسلام سے ایک صدی یا سوا سو سال تک محدود رہتی ہے ۔[5] اس سے پہلے کی شاعری کے متعلق جو کچھ تاریخ بتا سکی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

(۶) مختارات شعرالادب : اس کو ابوالسعادات ھبۃ اللہ الشجری نے تالیف کیا ۔ ان دواوین اور مجموعوں کے علاوہ درجِ ذیل کتب میں بھی قدیم عربی اشعار کا ایک ذخیرہ موجود ہے :

(۱) ابوالفرج اصفہانی	:	کتاب الاغانی
(۲) ابو علی القالی	:	کتاب الامالی
(۳) المبرّد	:	الکامل
(۴) البغدادی	:	خزانۃ الادب

۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

Encyclopaedia of Islam, Vol. I : Word "al-Arabiyyah"

نیز جرجی زیدان : تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ، باب نہضۃ الشعر فی الجاہلیہ ، جلد اول ، ص ۶۸ ۔

نیز Nicholson : A Literary History of The Arabs, page 71

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو تین بیت نظم کر لیا کرتے تھے۔[۶]

عربی شاعری کے ارتقاء کا سراغ رساں جب ان دونوں قسم کی شاعریوں کے انداز اور اسلوب پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے دونوں کے درمیان ایک عجیب سا خلا محسوس ہوتا ہے ۔ ایک شاعری اپنے اسلوب میں بالکل ابتدائی[۷] اور رجزیہ قسم کی ہے جو اونٹ کی چپ و راست کی حکایت ہی کہی جا سکتی ہے[۸] اور دوسری علم و حکمت اور تجارب کا مخزن ہے جو بلند کرداری اور حربی وقائع کے شاہنامے کا دھوکہ دیتی ہے ۔ برجستگی، آمد و آورد کی داستان اور وجدانی و قلبی احساسات اور واردات کی ایک بے پایاں ترجمان نظر آتی ہے ۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے سامنے بہت سے نقاد حیران و پریشان ، مضطرب اور ششدر کھڑے رہ گئے ۔ جس سے خلاصی پانے کے لیے ایک گروہ نے شاعری کی مترقی صورت کے انتساب کو عرب جاہلی کے ان شعراء کی طرف مشکوک قرار دے دیا تو دوسرے گروہ نے اس انتساب پر صاد کرتے ہوئے شاعری کے ارتقاء کو فطری اور شاعری کے رجحانات کو قدیم اور مسلسل ثابت کرنے کے لیے خوب زور قلم دکھایا ۔ ان میں سے العقد الفرید کے مصنف ابن عبد ربہ کا نام سر فہرست ہے ۔ جس نے اپنے ہم عصر ''اقدم المنکرین[۹]'' ابو جعفر النحاس نحوی کے 'انکارِ واقعہ' تعلیق المعلقات باستار الکعبہ' کو دیکھ کر اس بات کو نہایت شد و مد سے باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ معلقات واقعی استارِ کعبہ سے لٹکائے گئے تھے۔ اور چونکہ سونے کے پانی سے مرقوم تھے اس لیے مذہبہ امراءالقیس

۶۔ ملاحظہ ہو جرجی زیدان : تاریخ اداب اللغۃ العربیہ ، ج اول ، ص ۶۷ ۔

۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو :

H. A. R. Gibb : Arabic Literature (An introduction), page, 14.

نیز جرجی زیدان ، تاریخ اداب اللغۃ العربیہ ، ج اول ، ص ۶۸ ۔

۸۔ ایضاً ۔

۹۔ ابن عبدربہ : العقد الفرید ج ۳ ، ص ۹۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مذہبہ زہیر وغیرہ مشہور ہوگئے۔[۱۰] 'العمدہ' کے مصنف ابن رشیق نے معلّقات کو مذہبات کا نام دے کر اس بات پر زور دیا کہ کعبہ سے معلّق کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کے لیے دوسری تاویل بھی پیش کی ہے۔[۱۱] ابنِ خلدون کو تو اس واقعے کا اس قدر ایقان حاصل ہے کہ وہ دوسری صورت کو قابلِ ذکر ہی نہیں سمجھتا۔[۱۲] ہمارے جدید نقادانِ شعر اور مؤرخینِ تاریخِ ادبِ عربی نے (جن میں جرجی زیدان اور زیات خاص کر قابلِ ذکر ہیں) یہ کہہ کر اس اعتراض کو لا یعنی قرار دے دیا ہے کہ یہ فرنگی، فرانسیسی اور جرمنی کے بعض مستشرقین کی اپج ہے۔ جس کو ہمارے جدید مصنفین نے بھی اپنا لیا ہے ورنہ واقعہ کے اعتبار سے اس میں کوئی ایسی خلافِ قیاس بات نہیں جس پر انکار کی ضرورت محسوس کی جا سکے۔[۱۳]

ہمارے نزدیک اس جواب میں دو کمزوریاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس پر شک و شبہ کا اظہار متشرقین سے پہلے بہرحال ابو جعفر، ابن الانباری اور طبقاتِ الشعرا کے مصنف ابن سلام وغیرہ بھی کر چکے ہیں، اگرچہ نوعیت میں ایک گونہ تفاوت رہا ہے۔ دوم یہ کہ انکار یا شک کی وجہ واقعہ یا اس کی غرابت نہیں بلکہ عربی ادب کی ارتقائی کیفیت میں ایک اچانک اور چونکا دینے والی تبدیلی ہے جس نے ان کو شک و شبہ کے اظہار پر آمادہ کیا۔ یہ بات پروفیسر گب کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی

۱۰- ابن عبد ربہ : العقد الفرید، ج ۳، ص ۹۳ -

۱۱- ابن رشیق القیروانی : العمدہ، ج اول، ص ۶۱ -

۱۲- ابنِ خلدون : کتاب العبر، ج اول، ص ۱۱۲۲ (مکتبۃ المدرسۃ و دارالکتاب اللبنانی، بیروت) -

۱۳- جرجی زیدان نے بھی اپنی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ میں لغۃ عربی کے ارتقاء کی ایک وجہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ وجہ بھی غیر منطقی ہونے کے ساتھ ساتھ غیراسلامی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح ہے :

''عربی ادب کی نمایاں خصوصیت اس کا حیرت انگیز طور پر خلاف ِ توقع یکبارگی اور اچانک اُبھر آنا ہے ۔ ہر بار ، کسی ایما کے بغیر کہ آگے کیا وقوع پذیر ہونے والا ہے ، ایک نیا اور مکمل ادب اُبھر آتا ہے جو ایک ایسی تکمیل لیے ہوئے ہوتا ہے کہ بعد کے سخندان اور نکتہ ور اس کا جواب پیدا نہ کر سکے ۔ خلاف ِ توقع حیرت انگیزی ، اچنبھا اور یکبارگی کی یہ کیفیت سب سے نمایاں اُس وقت نظر آتی ہے جب عربی زبان پہلی بار ادبی ذریعے کے طور پر سامنے آئی ۔ ایک وقت میں تو عربی زبان ادبی اعتبار سے بالکل تہی داماں نظر آتی تھی جو چند کتباتی اور کاروباری محاورات کے سوا کچھ نہیں رکھتی تھی ، جیسا کہ ہر مقامی اور ذیلی بولی کا خاصہ ہوتا ہے ۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے شعرا کی مختلف ٹولیاں اُبھر آئیں ۔ جو مختلف الاجزا ایسی غزلیں ، نظمیں اور قصیدے کہتے ہیں جن میں سلسلۂ موضوعات کو دسترس سے بالاتر زورِ بیان ، قوت ِ تخیّل اور تشبیہات و استعارات کی صحت کے ساتھ دیدہ ریزی سے تکمیل پذیر کیا گیا ہے ۔ جن میں ایسی زبان استعمال کی گئی ہے جو بے پایاں وسعتوں سے ہمکنار اور حد درجے شستہ ہے ۔ جس پر مقامی یا ذیلی بولی ہونے کا قطعاً شبہ نہیں کیا جا سکتا ، جسے کچھ ایسے پُر پیچ اور لچک دار موزوں و مقفیٰ انداز میں ڈھالا گیا ہے جو تمام نظم یا قصیدہ میں رواں دواں نظر آتا ہے ۔''[۱۴]

یہ ہے ان لوگوں کے دل کی بات جو ابتدا سے ان قصائد کی واقعیت اور ان قصائد کے عرب شعرا کی طرف انتساب کی صحت یا ان کے شعرا

۱۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ۔ پروفیسر گب کی کتاب Arabic Literature.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شخصیت کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کرتے رہے ہیں - اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ ان قصائد کی صحت کے دعوےدار تھے انھوں نے کوئی ایسا انداز تشریح و تعبیر کا اختیار نہیں کیا جو ان وجوہات کی ٹھوس تاویل پیش کر سکتا جو ان شکوک و شبہات کا باعث بن رہے تھے -

جہاں تک ان قصائد کے جاہلی شعرا کی طرف انتساب کی صحت کا تعلق ہے ، ہمیں بھی اس کا اعتراف ہے اور یکسر انکار کی جرأت کسی کو بھی نہیں ہوئی - سچی بات یہ ہے کہ یہ کسی راوی کی بد نیتی یا کسی مسخرے کا تمسخر نہیں بلکہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے - عرب کی ابتدائی ادبی کیفیت اور پانچویں صدی مسیحی میں ایک اچانک روشن تر تبدیلی جو ہمیشہ اذہان کے لیے اضطراب کا موجب بنتی رہی ہے ، اس کی اصل وجہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں :

ہمارے نزدیک زبان میں یہ ارتقائی کیفیت آنے والی ایک عظیم تبدیلی کا پیش خیمہ تھی اس لیے فطری اصول سے عین مطابق تھی - اس کیفیت سے ان حضرات کو یقیناً اچنبھا ہونا چاہیے تھا جو اس سے بعد متصل رونما ہونے والے اعجاز آفریں احوال و ظروف کے ساتھ اس کو متعلق نہ کر سکے ، یا انھوں نے ایسا کرنا نہ چاہا -[۱۳] ورنہ فطرت کے ٹھوس اصولوں کو مدِ نظر رکھا جائے تو ان کیفیات کا ظہور ایسے ہے جیسے آفتاب کے جلوۂ جہاں تاب سے قبل رات کی سیاہ زلفوں کے درمیان صبح اپنا چہرۂ خنداں دکھاتی ہے - ذرا غور کیجیے تو رات کی تاریکیوں میں سے سویرا کیوں کر جلوہ آرائی کرتا ہے - یہ کچھ یوں ہی نہیں جیسے عرب کی جہالتوں میں "جمالِ جہاں آرا" کی آمد کی خوش خبری دینے کے لیے علم و آ گہی کا سویرا ایک عجیب سماں لیے ہوئے نمودار ہو گیا - فطرت ہمیشہ واقعات کے وقوع سے

---

۱۳ - ایضاً -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے کچھ اشارات دیتی ہے ۔ وہ رحمت کی آنے والی گھٹاؤں سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں بھیجتی ہے جو اس کی رحمت سے پہلے اس کی خوش خبری دیتی ہیں ۔[15]

فرض کیجیے عرب میں لسانی ارتقا کی یہ کیفیت رونما نہ ہوتی اور اس کی وہی مقامی بولی کی کیفیت برقرار رہتی جو چند کاروباری محاورات کے سوا تمام تر نازک اسالیب اور متنوع معانی سے خالی ہے ، تو کیا یہ زبان اور اس کے بولنے والے قرآن مجید کے خطابی و بلاغی اعجاز کے متحمّل ہو سکتے تھے ۔ اور ان حالات میں اس بولی کے بولنے والوں کو یہ چیلنج دینا کچھ بھی معنی رکھتا تھا ، ''لاؤ ایک سورت (بنا کر) اس جیسی اور بلا لو اپنے ''شہدا'' ، کو اگر تم ''اپنے دعوے میں'' سچے ہو ۔''[16] اگر قرآن کے نزول سے قبل اس زبان کو یہ حیرت انگیز ترقی نصیب نہ ہوئی ہوتی — جو بجائے خود ایک اعجاز ہے کیوں کہ اس زبان کو ایک اعجاز کا متحمّل بنانے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا — تو کیا اس کے بولنے والے قرآنی الفاظ کے حسن ، تراکیب کی خوبی ، اسلوب کی نزاکت ، گویائی کی قوت ، استدلال کے زور اور معانی کی نیرنگی کو سمجھ سکتے ؟ یقیناً نہیں ۔

گویا اعجازِ قرآنی کو سمجھنے کا اہل بنانے کے لیے انھیں زبان کی لطافتیں دیں ، انھیں اندازِ بیان اور قوت نطق دی ، انھیں اپنے اوپر پورا اعتماد بخشا بلکہ اپنی قوتِ گویائی پر ناز دیا ، اور اظہار ما فی الضمیر کی قدرت پر فخر ۔ عین اس عالم میں ایک روشن تر حقیقت اور بیان کا اعجوبہ پیش کیا جس کے سامنے ان کی زبانیں گنگ ، ان کی عقل ماؤف اور ان کی قوتِ گویائی بے بس رہ گئی ۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ وہ چوکڑی ہی بھول گئے ۔ وہ قرآن کے اس عظیم معجزے کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پا کر یوں گر گئے

۱۵- اس کو قرآن مجید نے ''بشرا بین یدی رحمتہ'' سے تعبیر فرمایا ۔
۱۶- القرآن :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے موسٰی علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے فرعونی جادوگر سجدہ ریز ہوئے تھے۔[۱۷] اسلام کا نادرۂ روزگار مؤرخ علامہ ابنِ خلدون اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے :

''پھر اسلام کے ابتدائی ایام میں یہ شاعری سے رو گرداں ہو گئے، کیوں کہ . . . قرآن کے اسلوبِ بیان کے سامنے یہ دہشت زدہ رہ گئے، ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور ایک مدت تک انھیں قرآنی بیان میں غور و خوض کے سوا کچھ نہ سوجھا۔''[۱۸]

زیات لکھتا ہے ''عرب جو شاعری کے امام اور قوتِ بیان میں لاثانی تھے'' اس کلام کو سننے کے بعد محو حیرت ہو گئے اور انھوں نے اسے نہایت عظیم اور بڑی عجیب چیز قرار[۱۹] دیا۔

تاریخ ادب عربی کا عیسائی مؤرخ جرجی زیدان رقم طراز ہے :

''نزولِ قرآن سے قبل عرب جب بھی کسی مجلس یا بازار (یا میلے) میں جمع ہوتے تو ان کا شغل اشعار کہنا اور قبائلی فخر اور تفاضل تھا مگر قرآن کے نازل ہونے کے بعد ان کی تمام تر توجہ قرآن کو حفظ کرنے اور صبح و شام تلاوت پر مرتکز ہو گئی[۲۰]۔ یہی تو وجہ تھی کہ عمر بن خطاب جیسا عظیم انسان، جب وہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، سورۃ طٰہٰ کی چند آیات سن کر پسیج گیا۔''

الغرض خطۂ عرب کا ہر متنفس بیک زبان بول اٹھا :

ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا

۱۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ شعراء اور اس کا نظم و نسق جو ان دونوں واقعات کی قریب ترین مشابہت کی جامع اور معنی خیز عکاسی کرتا ہے۔

۱۸۔ العبر، ابنِ خلدون، ج اول۔

۱۹۔ تاریخ الادب العربی، زیات۔

۲۰۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ج اول۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ، اس لیے ہم نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے ۔[۲۱]

یہی ہے قرآن اور شاعری کا بنیادی فرق ہے ۔ قرآن نورِ ہدایت ہے اور شاعر غیر حقیقی اور مبالغہ آمیز خیالات کی وادیوں میں حیران و سرگردان پھرتے رہتے ہیں ۔''[۲۲] یہی امتیازی شان تھی جو موسیٰ[۴] کے جادو گروں کی طرح نبی آمی کے عہد کے جادو بیانوں نے پا لی ۔ جبھی تو اس کی زبان حقیقت ِ ترجمان کہتی تھی ''یقیناً بعض بیان بھی جادو ہوتے ہیں ۔''[۲۳] ان جادو بیانوں کو مات کرنے کے لیے ایک ایسا بیان نازل ہوا جو سراسر اعجاز تھا اور اگرچہ :

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گیا تو ساری بہاروں پہ چھا گیا

تاہم کچھ فن کی گہرائیوں سے نا آشنا یا عصبیت اور دشمنی کے سبب سے کوتاہ بین تھے جو ایک بے کلی کے عالم میں اس کو کبھی شاعری ، کہانت اور کبھی جادو کا نام دیتے رہے ۔ ان کا اضطراب ہی بتاتا تھا : ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بہتوں نے اپنے سینے کھول دیے اور گوہرِ مراد سے مالا مال ہوئے اور کچھ یوں دل تنگ ہوئے ''کا نما یصعد فی السماء''[۲۴] ۔ انھوں نے چاہا تھا کہ اس کے زور کو روکیں مگر اس کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور خس و خاشاک کی مانند بہہ گئے ۔ کچھ تہہ نشین ہو گئے تھے ، تو اس کے قدموں تلے روندے گئے ۔ وہ باقی رہنے کے لیے آیا تھا باقی رہا ، وہ آج بھی اعلان کرتا ہے ۔ ''لاؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اگر تم سچے ہو ۔''[۲۵]

۲۱- القرآن : سورۂ جن ، ابتدائی آیات ۔
۲۲- سورۂ شعراء ، (آخری رکوع) القرآن ۔
۲۳- ان من البیان لسحراً : (الحدیث) ۔
۲۴- القرآن ۔
۲۵- القرآن ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن میں صرف ادبی ، بلاغی اور لسانی اعجاز ہی نہ تھا ، اس کا تو ہر روپ اور ہر زاویہ اعجاز تھا ، اعجاز ہے اور اعجاز کا حامل رہے گا ۔ وہ تو عقیدہ و عمل کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کرنے آیا تھا ۔ اس لیے اس کے نزول سے پیشتر اس کے لیے عرب کے صرف لسانی حالات کو ہی سازگار نہیں بنایا گیا تھا ۔ بلکہ معاشرت ، معیشت ، مذہب اور سیاست میں بھی اسلام کے ظہور سے قبل عرب کے اندر کچھ اس قسم کی بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں جنھوں نے آنے والے واقعات کے لیے تمہید و توطیہ کا کام کیا ۔

خود قرآن مجید نے بھی جاہلی معاشرت کی مذمت کرتے ہوئے "الجاھلیۃ الاولی" کا لفظ لا کر ، ارتقائی دور کو ایک عجیب انداز سے الگ کر دیا ہے ۔ شاید اس کی وجہ اس دور کی لسانی ، معاشرتی اور مذہبی و اخلاقی تبدیلیاں تھیں جن کے سبب یہ جاہلیت اولیٰ کی نسبت اسلام سے قریب ہو گیا ۔ مؤرخین نے جاہلیت اولی کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح اور جاہلیت ثانیہ کا عرصہ پانچویں صدی عیسوی سے ظہور اسلام تک قرار دیا ہے ۔[۲۶] یہی وہ زمانہ ہے جب جاہلیت کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھٹنا شروع ہو گئیں تھیں اور ان کی جگہ صبح کی روشنی لے رہی تھی ۔ معلقات اور ان کے شعراء پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجمال کے ساتھ ان حالات پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ بات نہایت وضاحت کے سامنے آ جائے ۔

اس سلسلے کے واقعات کا استقصاء مقصود نہیں ، بلکہ اختصار کے ساتھ ان واقعات میں سے صرف چند واقعات کا استحضار مطلوب ہے جو ظہورِ اسلام سے قبل ایک صدی کے اندر — آنے والی عظیم تبدیلی کی نشان دہی کرنے کے لیے . . . رونما ہوئے تھے ۔ یہ واقعات تاریخی اعتبار

۲۶- ملاحظہ ہو نکلسن :ص-۷۱ - A Literary History of the Arabs.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بے حد مشہور ہیں ، اس لیے یہاں ان کو صرف اشارۃً ذکر کیا گیا ہے:

(۱) ”ذبح عظیم“ کے واقعے میں ، حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے خواب :

”میں نیند میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں تو بتا ، تیری کیا رائے ہے ۔“

کے عینی یا تمثیلی ، ہونے کے متعلق مباحث بہت بعد کی باتیں ہیں ۔ لیکن حضرت عبدالمطلب کا حضرت عبداللہ کی قربانی کے عوض اونٹ قربان کرنا[۲۷] نہ صرف ابراہیمی خواب کے تمثیلی ہونے کی تائید کرتا ہے ، بلکہ اس حقیقت کی طرف بھی مشعر ہے کہ عرب میں مذہبی شعور پیدا ہو رہا تھا ۔ یہ اس تدبّر اور تفکّر کا پیش خیمہ بنی تھی ، جس کی دعوت قرآن نے آ کر دی ۔ قربانی کے اسی واقعہ کے ساتھ اس واقعے کو بھی ملایا جا سکتا ہے کہ انھی ایام میں چاہِ زمزم (جو اسماعیلی یادگار ہے اور مدت سے اٹ گیا تھا) از سرِ نو ظاہر ہوا ۔[۲۸] اس سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ آنحضورؐ نے اپنی بعثت کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ ”میں دعاے ابراہیمی ہوں“ ۔

(۲) اس عرصے میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو عرب کے مذہبی توہمات سے منحرف اور بت پرستی و قمار بازی سے مجتنب تھے ۔ اس سلسلے میں ایسے بہت سے حضرات کا نام لیا جا سکتا ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد ”صحابہ“ کہلائے اور اسلام میں اپنے تقویٰ و طہارت

۲۷۔ سیرت النبی ، ص ۱۴۵ ۔

۲۸۔ سیرت النبی ، ج اول ، ص ۱۶۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تقدس کے سبب نام پیدا کیا۔ ان کے علاوہ بہت سے شعراء میں بھی اسی قسم کے رجحانات پائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر امیہ بن ابی الصلت کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر گب رقم طراز ہیں:

"طائف کے امیہ ابن ابی‌الصلت کی شاعری کا ایک حصہ اگرچہ محلِ نظر ہے تاہم اس کی شاعری اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس زمانے کے باشعور اصحاب اپنے آبا و اجداد کی توہم پرستی سے مطمئن نہ تھے۔"[۲۹]

پروفیسر گب نے نہایت احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے تبصرہ کیا ہے ورنہ اسی شاعر کے مندرجہ ذیل شعر سے اندازہ ہوگا کہ خدا کی ذات کے متعلق اس کا تصور کتنا خالص اور منزہ ہے۔ کہتا ہے:

لک الحمد و النعماء و الملک ربنا

فلاشئی اعلٰی عنک مجدا و امجداً[۳۰]

زید بن عمرو کو اس بات پر قریش نے مکے سے نکال دیا کہ وہ کہا کرتا تھا:

"اے قریش غور کرو، اللہ برسات برساتا ہے، اس سے گھاس اُگتی ہے جس کو تمہارے چوپائے چرتے ہیں، پھر تم انھیں اللہ کو چھوڑ کر غیراللہ کے لیے ذبح کرتے ہو۔"[۳۱]

۲۹۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، جرجی زیدان، جلد اول، ص ۱۵۲۔
۳۰۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔
۳۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جرجی زیدان تاریخ آداب اللغۃ الغربیہ، ج اول، ص ۱۵۴ ۔ ابوالفرج اصفہانی: کتاب الاغانی، ج ۳، ص ۱۵۵ ۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، ج اول، ص ۷۶ ۔ عبدالقادر: خزانۃ الادب، ج ۳، ص ۹۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے علاوہ ، اسی سلسلے میں ، ورقہ بن نوفل ، عبیداللہ بن جحش ، عثمان بن الحویرث کے نام بھی اکثر ذکر کیے جاتے ہیں ۔[۳۲]

(۳) حرب فجار میں تمام قریش کا ایک سٹیج پر جمع ہو جانا بتاتا ہے کہ ان میں صلح جوئی اور مواخات کے جذبات نشو و نما پا رہے تھے ۔ نکلسن بھی اپنی مشہور تاریخ ''ادب ِ عربی'' میں عربی شاعری کے ارتقا کے عوامل اور اثرات پر بحث کرتے ہوئے اعتراف کرتا ہے کہ :

''نیز اشہر حرام میں اس جنگ کے وقوع پذیر ہونے کے سبب اس جنگ کو ''حرب فجار'' کا نام دینا اس امر کا غماز ہے کہ عرب میں مذہبی شعائر کے لیے احترام کا جذبہ ابھر رہا تھا ۔

(۴) حلف الفضول[۳۳] کا معاہدہ عرب میں معاشرتی اور سیاسی اصلاح کے لیے بڑھتے ہوئے میلانات کا پتا دیتا ہے ۔ تجارت کے تحفظ کے لیے ہاشم کا مختلف قبائل کا دورہ کر کے راہداری کے معاہدات کرنا[۳۴] عرب کی تجارتی سوجھ بوجھ کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ ان معاہدات سے جہاں قریش کی تجارت کو فروغ ملا وہاں مکہ مکرمہ کی مرکزیت کا تصور ارد گرد کے قبائل کے سامنے روشن ہوا ۔ بلکہ ابرہہ کا حملہ اس کی دلیل ہے کہ ان دنوں عرب میں وحدت فکر ، اخوت اور اجتماعیت کے روز افزوں میلانات کچھ اس قدر عجیب انداز سے مکہ مکرمہ کی مرکزیت کو اجاگر کر

۳۲۔ ابن ہشام السیرۃ النبویہ ، ج ۔

۳۳۔ طبقات : ج اول ، ص ۸۲ ۔

۳۴۔ سیرت النبی : ج اول ، ص ۱۶۶ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے تھے کہ وقت کی حریف قومیں اس امر کا شدید احساس کیے بغیر نہ رہ سکیں ۔ پھر یہ واقعہ بنفسہا اپنے اندر جو اعجازی کیفیت لیے ہوئے ہے وہ آنے والے حالات کی مناد ہے ۔ نیز بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر اور قصیٰ کا قریش میں حجاج کی مہمان نوازی کا بے پناہ شوق پیدا کر دینا یہ ایسے عوامل ہیں جو ہمارے دعوے کی تقویت کا باعث ہیں ۔ ان حالات کے مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر طہٰ حسین کی یہ سوچ بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے کہ :

> ''قدیم عرب قبائل کی بولیوں کا اختلاف مسلّم ہے ، مگر قبلِ اسلام شاعری میں اس کا سراغ کہیں نہیں ملتا ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شاعری بعد از سلام کی ہے جسے قبل از اسلام شخصیتوں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے ۔''[35]

ہمارے نزدیک ڈاکٹر طہٰ حسین نے اسی غلطی کا اعادہ کیا ہے ۔ جس کا ارتکاب عام طور پر مستشرقین کرتے چلے آئے ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ یہ حضرات اس تبدیلی کو سمجھنے کے لیے عرب کے قدیم حالات کو سامنے رکھتے ہیں ، جب کہ اس کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ ''جاہلیت اولیٰ'' کے حالات کو نہیں بلکہ اسلامی روشنیوں کو کام میں لایا جاتا ۔ جن کے سامنے تمام اشکالات خود بخود رفع ہو جاتے ، مگر افسوس کہ ایسا نہ کیا گیا ۔ بلکہ یہ حضرات مسائل کا سراغ لگانے کے لیے ہمیشہ ''جاہلیت اولی'' کی ظلمتوں کی طرف بڑھتے رہے ۔ نتیجۃً جوں جوں تاریکیاں تاریک تر ہوتی گئیں مسائل توں توں اُلجھتے چلے گئے ۔ اور ان کو اس اندھیرے میں کس قدر دور کی سوجھی ، اس کا اندازہ پروفیسر گب کے مندرجہ ذیل الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے ۔ موصوف قدیم عربی شاعری اور

۳۵۔ طہٰ حسین : فی الادب الجاہلی ، ص ۱۱۰ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبل از اسلام ایک صدی کے عرصے میں ترقی یافتہ شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

''لیکن (قدیم عربی شاعری کے) اس ڈھیلے ڈھالے اور پھسپھسے شاعرانہ انداز کا جو تمام سامی ادب کا مشترک خاصہ رہا ہے ——— اور چھٹی صدی عیسوی کی شاعری کے دس یا بارہ اوزان کا آپس میں بظاہر کوئی ربط و تعلق اور رشتہ نظر نہیں آتا - نہ ہی دیگر کسی سامی زبان میں مؤخر الذکر شاعری کی مثال ملتی ہے - سوائے اس کے لیے تصنّع اور بناوٹ سے کام لیا جائے -''

ان فضلا کا طریقِ کار بعینہٖ ویسا ہے جیسے ایک محقق صبح کی روشنی کا سراغ لگانے کے لیے دن کی تابانیوں سے منہ موڑ کر اپنا رخ رات کی تاریکیوں کی طرف پھیر دے ، تو اسے گھٹا ٹوپ تاریکی اور صبح کا چہرۂ خندان باہم کس قدر بے ربط ، بے جوڑ اور غیر متعلق نظر آئیں گے - لیکن کیا اگر وہ روزِ روشن کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا تو پھر بھی صبح کی روشنیاں غیر فطری ہی نظر آتیں ؟ جواب یہ ہے کہ یقیناً ایسا نہ ہوتا - بلکہ اسے یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ فطرت طلوع جلوہ جہاں تاب سے پہلے صبح کے روپ میں بہرحال مسکراتی ہے -

(باقی باقی)

© rasailojaraid.com